© rasailojaraid.com

مسلمانوں کی دفاعی حکمت عملی: قرآن وحدیث کی روشنی میں

ڈاکٹر فضل ربی*

ملخص:

اسلامی نقطہ نظر سے اپنے وطن کے دفاع کا بنیادی مقصد حق کو باطل کے ہتھکنڈوں سے بچانا ہے، اس کے لیے اندرونی اور بیرونی دونوں محاذوں پر اپنا دفاع کرنے کے لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت مستعد رہیں۔ اس طرح کی تیاری کے لیے قرآن وحدیث میں متعدد احکامات ہیں اوران احکام کی بجا آوری پر اللہ کی طرف سے اجر عظیم کا وعدہ ہے۔ یہ مقالہ اسی تناظر میں تحریر کیا گیا ہے۔

دفاع حکمت عملی اور قرآن:

جن آیات قرآنی میں مسلمانوں کو اپنی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کا حکم ہے ان میں سے چند ضروری کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:۔

ترجمہ:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنا دفاع کیے رکھو پھر الگ الگ دستوں کی شکل میں یا اکھٹے ہو کر مقابلہ کے لیے نکلو۔(۱)

ترجمہ:

کفار اس تاک میں رہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان کی طرف سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔(۳)

**ڈاکٹر فضل ربی، شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں اور ۲۰۰۰ء میں کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی سے

Research and Comparative Analysis of the Defense Strategy of ﷺ the Holy Prophet

کے موضوع پر تحقیق مقالہ پیش کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت میں ہتھیار اور سامان سے غفلت تین طرح کی ہو سکتی ہے۔

الف۔ میدان جنگ میں حملے یا دفاع کے دوران آلات حرب وضرب کے استعمال اور ان کی حفاظت میں کوتاہی۔

ب۔ میدان جنگ کے علاوہ زمانہ امن میں سٹوروں میں موجود ساز وسامان کی دیکھ بھال سے لاپرواہی۔

ج۔ دفاعی پیداوار (Defense Production) میں سستی سے کام لینا اور غیر اقوام کے سہارے پر رہنا یعنی مروجہ ٹیکنالوجی کے حصول سے لاپرواہی۔

اپنے دفاع سے متعلق یہ آیت نماز خوف کے ساتھ نازل ہوئی۔ سید قطب شہید اس کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''کافروں کی ہر زمانے میں یہ خواہش رہی ہے اور وہ ہمیشہ اس تمنا میں رہے ہیں کہ مسلمان جب بھی غافل ہوں وہ ان پر حملہ کر دیں۔ کتنی بڑی حقیقت ہے جس سے قرآن نے پردہ اٹھایا ہے کہ اے مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو کافروں اور مشرکوں سے محتاط رہو اس لیے کہ انہیں اسلام سے عداوت ہے اور ان کی عداوت ہمیشہ باقی رہے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ احتیاط کا جو نقشہ تمہیں نماز میں بتایا گیا ہے یہی نقشہ تمام زندگی میں ہونا چاہیے اور پوری طرح تیار اور مسلح رہنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ تم ذرا غافل ہو اور کافر تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔ (۴)

ترجمہ:

اور اگر اللہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ دفع نہ کرتا تو زمین کا نظام تباہ ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ جہان والوں پر مہربان ہے۔ (۵)

اسلام نے بغیر شدید ضرورت کے قتل وخون ریزی کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کی اجازت صرف اسی حالت میں ہے جب چند بے رحم اور سنگدل انسانوں کے ہاتھوں امن عامہ کو خطرہ لاحق ہو۔ اللہ کی زمین میں معصیت اور فساد کا دور دورہ ہو اور مخلوق خدا کی قیمتی متاع محفوظ نہ ہو۔ عورتوں کی عصمتیں محفوظ نہ ہوں، بوڑھوں کی تکریم نہ ہو، ظالم کا پکڑ نا مشکل ہو، مظلوم کی داد رسی والا کوئی نہ ہو، ایسے میں اسلام اپنے پیروکاروں کو اپنے دفاع اور شر انگیزوں سے مخلوق خدا کو نجات دلانے کے لیے قتال کی اجازت دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اجازت دشمنوں کے خلاف صرف اپنی ہی مدافعت کے لیے نہیں دی گئی بلکہ یہ اجازت دوسرے تمام مظلوم افراد کی اعانت اور حمایت کے لیے بھی ہے چاہے ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو۔

ترجمہ:

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں
لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے خدا ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں
اور ہمارے لیے اپنی طرف سے ایک محافظ اور مددگار متعین فرما۔(۶)

اس آیت میں سرزنش کے انداز میں کہا گیا ہے کہ قتال سے کس طرح گریز کر سکتے ہو جبکہ تمہیں ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو ظلم کے شکنجے سے نجات دلانا ہے جو سخت آزمائش اور کٹھن مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ان میں ہمت نہیں کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت اور عقیدے کا دفاع کر سکیں۔ اس لیے ان ناتوانوں کی مدد انسانیت اور عقیدہ دونوں کی بناء پر لازم ہے۔

اس آیت میں مکہ کو جو مسلمانوں کا اصل وطن تھا دارالحرب قرار دیا ہے اور حکم دیا کہ اس سرزمین والوں سے جہاد کر کے وہاں سے اپنے ہم عقیدہ ناتواں لوگوں کو نکالا جائے اور مشرکین سے جنگ کی جائے۔

ترجمہ:

اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت قوت ہے اور اس میں لوگوں کے لیے بہت سے
فائدے ہیں اور لوہے کو اللہ نے اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ جان لے کہ بن دیکھے اس کی
اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے۔(۷)

انبیاء علیہم السلام کے مشن کو بیان کرنے کے ساتھ ہی لوہے کا ذکر اور اس میں منافع کا ذکر خود بخود اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہاں لوہے سے مراد سیاسی اور جنگی قوت ہے۔(۸)

ترجمہ:

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی
کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت کی رو سے مسلمانوں کی جنگ نہ تو اپنی مادی اغراض کے لیے ہوتی ہے اور نہ ان لوگوں سے ہوتی ہے جو مزاحمت کے قابل نہیں ہوتے۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور زخمیوں پر دست درازی کرنا، دشمنوں کے لاشوں کا مثلہ کرنا' باغات' فصلوں اور مویشیوں کو خواہ مخواہ برباد کرنا اور دوسرے تمام وحشیانہ اور ظالمانہ افعال کی ممانعت ہے بلکہ آیت کا منشایہ ہے کہ قوت کا استعمال وہاں کیا جائے اور اتنا کیا جائے جہاں ناگزیر ہو اور جتنی ضرورت ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: اور اے نبی اگر دشمن صلح وسلامتی کی طرف مائل ہو تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو یقیناً وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمھارے لیے اللہ کافی ہے۔(۱۰)

دین اسلام کا مقصد انسانیت کا خون بہانا نہیں بلکہ امن وسلامتی کی فضا قائم کرنا ہے۔ اس لیے جہاں کہیں یہ فضا وجود میں آئے وہاں پر صلح وسلامتی عین دین کی منشا ہے۔ اسی آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی لکھتے ہیں۔

''یعنی بین الاقوامی معاملات میں تمہاری پالیسی بزدلانہ نہیں ہونی چاہیے بلکہ خدا کے بھروسے پر بہادرانہ اور دلیرانہ ہونی چاہیے۔ دشمن جب گفتگوئے مصالحت کی خواہش ظاہر کرے بے تکلف اس کے لیے تیار ہو جاؤ اور صلح کے لیے ہاتھ بڑھانے سے اس بنا پر انکار نہ کرو کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ صلح نہیں کرنا چاہتا بلکہ غداری کا ارادہ رکھتا ہے کسی کی نیت بہر حال یقینی طور پر معلوم نہیں ہوسکتی اگر وہ واقعی صلح کی نیت رکھتا ہو تو تم خوامخواہ اس کی نیت پر شبہ کر کے خون ریزی کو طول کیوں دو اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتا ہو تو تمہیں خدا کے بھروسے پر بہادر ہونا چاہیے صلح کے لیے بڑھنے والے ہاتھ کے جواب میں ہاتھ بڑھاؤ تا کہ تمہاری اخلاقی برتری ثابت ہو اور لڑائی کے لیے اٹھنے والے ہاتھ کو اپنی قوت بازو سے توڑ کر پھینک دو تا کہ کبھی کوئی غدار قوم تمہیں نرم چارہ سمجھنے کی جرات نہ کرے۔''(۱۱)

ترجمہ:

ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ ہی کے لیے ہو جائے پس اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر دست درازی روا نہیں۔(۱۲)

آیت میں فتنے سے مراد وہ حالت ہے جس میں دین اللہ کے بجائے کسی اور کے لیے ہو اور لڑائی کا مقصد یہ ہے کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو۔ باز آ جانے سے مراد کافروں کا اپنے کفر وشرک سے باز آ جانا نہیں بلکہ فتنہ سے باز آ جانا ہے۔ کافر، مشرک، دہریے ہر ایک کو اختیار ہے کہ جو عقیدہ رکھنا چاہے رکھے اور جس کی عبادت کرنا چاہے کرے یا سرے سے کسی کی عبادت نہ کرے۔ اس گمراہی سے نکالنے کے لیے انہیں نصیحت کی جائے مگر ان سے لڑائی نہیں کی جائے گی لیکن انہیں یہ حق ہر گز نہیں پہنچتا کہ خدا کی زمین پر خدا کے قانون کی بجائے اپنے باطل قوانین جاری کریں۔ ہاں اگر وہ اس فتنے سے باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر دست درازی روا نہیں۔(۱۳)

دفاعی حکمت عملی اور حدیث:

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی باقاعدہ اسلامی مملکت قائم ہوئی۔ بحیثیت فرستادہ خدا آپ ﷺ اس مملکت کے سربراہ اور عساکر کے سپہ سالار اعظم تھے۔ آپ ﷺ کی ذات میں سپہ سالاروں والی شان، دبدبہ، حکمت عملی، منصوبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بندی، دوراندیشی، قوت فیصلہ اور بے خوفی سے کہیں بڑھ کر صفات عجز و نیاز، تضرع وزاری، عفوو درگزر اور خشوع وخضوع پائی جاتی تھیں۔

اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

ترجمہ:

نبی کریم ﷺ کا قول مبارک کہ مجھے ایک ماہ کی مسافت تک کے رعب و دبدبہ سے مدد دی گئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان کہ کافروں کے دلوں میں ہم عنقریب رعب و دبدبہ ڈال دیں گے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے۔ اس کو حضرت جابرؓ نے رسالت مآب ﷺ سے بیان کیا ہے۔(۱۴)

ایک تجربہ کار اور تمام اچھی صفات سے موصوف کمانڈر ہونے کے ناطے نبی کریم ﷺ نے مجاہدین اسلام کو جنگ میں جارحانہ اور مدافعانہ اقدام کے لیے تیار کرنا تھا۔ یہاں تک کہ عارضی پسپائی (غزوہ احد اور حنین) کی حالت میں کیے جانے والے اقدامات بھی سکھانے تھے۔(۱۵) ان امور کے ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ نے دفاع کے اصول اور فضائل امت کے سامنے بیان فرمائے۔ دفاعی امور سے متعلق چند احادیث حسب ذیل ہیں:

ترجمہ:

حضرت معاذ بن جبلؓ ایک طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اصل کام اسلام ہے اور اسلام کا عمود جس پر اس کی تعمیر قائم ہے نماز ہے اور اس کا اعلیٰ مقام جہاد ہے۔(۱۶)

ترجمہ:

عبداللہ بن عبدالرحمان بن ابی حسینؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کر دیں گے۔ تیر بنانے والے کو جو اس کے بنانے میں ثواب کا طالب ہے اور تیر چلانے والے کو اور تیر پکڑانے والے کو۔(۱۷)

حدیث پاک کی رو سے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے افراد ملکی دفاع میں شریک ہو کر ثواب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ ہتھیار استعمال کرنے والے بھرتی شدہ (Enrolled) سپاہ کے علاوہ اسلحہ ساز فیکٹریوں میں کام کرنے والے اور دفاعی پیداوار (Defense Production) سے کسی نہ کسی طرح سے منسلک دیگر سویلین اور غیر فوجی حضرات اس اہم کام کی برکت سے اجر عظیم پائیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ:

سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنا مال بچاتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔(۱۸)

دین اسلام جیسے فطری دین میں اپنے جان و مال کا دفاع لازم ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے ہر انسان کی جان و مال محترم ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کے جان و مال پر ڈاکہ ڈالے یا اسے نقصان پہنچائے۔ حدیث نبوی کے مطابق جان و مال کے دفاع کی خاطر لڑنا جائز ہے اور ان کی حفاظت میں اگر موت آجائے تو ایسی موت شہادت ہے۔

بدامنی کے اس دور میں حدیث نبوی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اگر ہر شخص حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے چوروں، ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کی مزاحمت کرے تو کافی حد تک ان جرائم کا قلع قمع ہو سکتا ہے اور معاشرے میں امن کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔

ترجمہ:

حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک دن کا رباط (پہرہ) دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔(۱۹)

اللہ کی راہ میں لڑنے اور غیروں سے اسلامی ملک کی جغرافیائی حدود کی دفاع کی فضیلت میں اور احادیث بھی بیان ہوئی ہیں۔ دراصل اس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کے سامنے سرحدوں کے دفاع پر بہت بڑا اجر عطا کرنے کا ذکر فرمایا۔ اسے دنیا اور اس کے اندر نعمتوں سے افضل بتایا، تاکہ دنیا کے نقشے پر بننے والی پہلی اسلامی مملکت (مدینہ منورہ) کی طرح تمام اسلامی ممالک بیرونی خطرات سے محفوظ ہو کر اندرونی طور پر مستحکم ہوں اور معاشرہ امن کا گہوارہ ہو جس میں قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونے کے لیے ایک آزادانہ اور سازگار ماحول میسر ہو۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے سنا جب تم بیع عینہ کرنے لگو گے اور بیلوں کی دم پکڑنے لگو گے اور زراعت پر راضی رہو گے اور جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا جب تک تم اپنے طریقہ پر واپس نہ آجاؤ گے وہ تم سے اس ذلت اور رسوائی کو الگ نہیں کرے گا۔(۲۰)

آپ ﷺ نے امت کو ترک جہاد کے نقصانات سے بروقت مطلع فرمایا کہ دنیا کی محبت اور جہاد سے روگردانی ذلت و رسوای کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ قرآن وحدیث اور فقہ کی رو سے حفاظت دین اور مملکت اسلامی کے دفاع کی اتنی اہمیت ہے کہ جب بھی کوئی دشمن اسلام یا اسلامی نظام کو مٹانے یا اسلامی ملک پر قبضے کی غرض سے حملہ آور ہو تو وہاں کے مسلمانوں پر عین فرض ہو جاتا ہے کہ باقی امور کو چھوڑ کر مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اگر معاشرہ ملک کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باشندے مقابلے کی سکت نہ رکھتے ہوں یا وہ سستی سے کام لے رہے ہوں تو خطے میں موجود مسلمانوں حتیٰ کہ روئے زمین کے تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ دشمنوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں چنانچہ منقول ہے۔

ترجمہ:

جب نفیر عام ہو جائے تو جہاد صرف ان لوگوں پر فرض عین ہوتا ہے جو دشمن سے قریب ہوں، رہے وہ لوگ جو دشمن سے دور ہوں تو ان پر فرض کفایہ رہتا ہے یعنی اگر ان کی مدد کی ضرورت نہ ہو تو وہ شرکت جہاد سے باز بھی رہ سکتے ہیں لیکن اگر ان کی مدد کی ضرورت پڑ جائے خواہ اس وجہ سے کہ جو لوگ دشمن سے قریب تھے وہ مقابلہ سے عاجز ہو گئے۔ یا اس وجہ سے کہ وہ عاجز تو نہ تھے مگر انہوں نے سستی کی اور پوری کوشش سے مقابلہ نہ کیا تو اس صورت میں جہاد آس پاس کے لوگوں پر ویسا ہی فرض عین ہو جاتا ہے جیسے نماز اور روزہ۔ کہ اسے چھوڑنا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔ پھر ان لوگوں پر جو ان سے قریب ہوں پھر ان پر جو ان سے قریب ہوں۔ یہاں تک کہ مشرق سے مغرب تک تمام اہل اسلام پر بتدریج فرض ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کی مثال نماز جنازہ کی ہے کہ جو شخص میت سے دور ہوا گر اسے معلوم ہو کہ اہل محلّہ میت کے حقوق ادا نہیں کرتے یا ادائیگی سے عاجز ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ خود اس کے حقوق یعنی تجہیز و تکفین سرانجام دے۔ یہی صورت فریضہ جہاد کے مسئلے میں بھی ہے۔ (۲۱)

قرآن واحادیث اور فقہ میں جنگ کے لیے اتنی تاکید کے باوجود آپ ﷺ نے مقاصد جنگ کی تطہیر فرمائی۔ ظلم وسفاکی کی مروجہ طریقہ کی جگہ جنگ کا نیا تصور پیش کیا۔

ترجمہ:

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب افواج کے کمانداروں کو وصیت کرتے تو انہیں تقویٰ اور مسلمانوں کے ساتھ نیکی کی تلقین کرتے اور فرماتے اللہ کا نام لے کر لڑائی کر وان کے ساتھ جو اللہ کا انکار کرتے ہیں۔ لڑو اور زیادتی نہ کرو اور غارت گری نہ کرو اور مثلہ نہ کرو اور بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرو۔ (۲۲)

انہی فرمودات اور مربوط دفاعی نظام کا نتیجہ تھا کہ حیات طیبہ کے دس سال مدنی دور میں ۲۷۴ میل مربع یومیہ کے حساب سے علاقہ فتح ہوا یعنی آپ ﷺ کے وصال کے وقت ریاست مدینہ کا رقبہ دس لاکھ مربع میل سے زیادہ تھا۔ اتنی بڑی کامیابی کے حصول میں مسلمانوں میں سے ۲۵۹ مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا جب کہ دشمن کے ۷۵۹ آدمی قتل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے۔ مجموعی تعداد ۱۱۱۸ بنتی ہے (۲۳) اس کے برعکس پہلی جنگ عظیم میں تقریباً ایک کروڑ آدمی ہلاک ہوئے اور ۲ کروڑ زخمی ہوئے جبکہ براہ راست ایک کھرب ۸۰ ارب اور ۵۰ کروڑ ڈالر کی خطیر رقم اس جنگ میں خرچ ہوئی۔ (۲۴) دوسری جنگ عظیم میں ۵ کروڑ ۴۸ لاکھ جانیں ضائع ہوئیں۔ ماضی قریب میں لڑی گئی خلیجی جنگ (۱۹۹۰) میں عرب ممالک (کویت اور سعودی عرب) نے امریکہ کو ۵۰ بلین ڈالر بطور جنگی اخراجات ادا کئے۔ اسی طرح ایک ارب ڈالر سے زیادہ روزانہ تیل اور گولہ بارود پر صرف ہوتے رہے (۲۵)۔

ماحصل:

قرآن و حدیث کے تحقیقی مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اپنی ریاست کا دفاع مسلمانوں کی اہم ذمہ داری ہے اور اس کے لیے بھرپور تیاری کرنا ضروری ہے۔ افرادی قوت کے ساتھ ساتھ دفاعی حکمت عملی ہر دور کی ضرورت کے مطابق ہونی چاہئے تاکہ مخالفین کو یہ معلوم ہو کہ مسلمان ہر اعتبار سے اپنے دفاع کی صلاحیت رکھتے ہیں لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن و حدیث کی تعلیمات کے حوالہ سے بھرپور دفاعی صلاحیت حاصل کریں۔

حوالہ جات:

۱۔ القرآن ۴ : ۷۱

۲۔ ایضاً ۴ : ۱۰۲

۳۔ سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، بیروت، دارالشروق، ج ۲، ص۔ ۷۴۹

۴۔ القرآن ۲ : ۲۵۱

۵۔ ایضاً ۴ : ۷۵

۶۔ ایضاً ۵۷ : ۲۵

۷۔ مولانا مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، راولپنڈی، سروسز بک کلب، ج ۵، ص۔ ۲۲۲

۸۔ القرآن ۲ : ۱۹۰

۹۔ ایضاً ۸ : ۶۱۔۶۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰۔ تفہیم القرآن، محولہ بالا، ج ۲، ص ۔ ۱۵۶

۱۱۔ القرآن ۲ : ۱۹۳

۱۲۔ تفہیم القرآن، محولہ بالا، ج ۱، ص ۔ ۱۵۱

۱۳۔ ابو عبداللہ بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ج ۱، ص ۔ ۴۱۸

۱۴۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، ترمذی جامع، کراچی، قرآن محل، ج ۱، ص ۔ ۲۳۸

۱۵۔ ایضاً، ج ۲، ص ۔ ۱۰۰

۱۶۔ ایضاً، ج ۱، ص ۔ ۲۹۳

۱۷۔ ابو عبداللہ محمد بن یزید، ابن ماجہ سنن، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ص ۔ ۱۸۸

۱۸۔ صحیح بخاری، محولہ بالا، ج ۱، ص ۔ ۴۰۵

۱۹۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کراچی، ایچ ایم سید کمپنی، ۱۴۰۵ھ، ج ۱، ص ۔ ۱۳۴

۲۰۔ علامہ ابن عابدین، ردالمختار علی الدر المختار، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۲۷۲ھ، ج ۳، ص ۔ ۲۲۰

۲۲۔ قاضی، ابی یوسف، کتاب الخرج، بولاق ۱۳۰۲ء، ص ۔ ۳۰۸

۲۳۔ قاضی محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ج ۲، ص ۔ ۲۱۳

-24 *World History, William L, Langer, USA, Boston Company, 1952 A.D., First World War, Vol.2*

۲۵۔ محمد اشرف ظفر، خلیجی جنگ کی تباہ کاریاں اور عالم اسلام کا مستقبل، لاہور، النور پرنٹر، ص ۔ ۱۳۰ ۔ ۳۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہادت کا اصطلاحی وفقہی تصور......قرآن وسنّت کے تناظر میں

ڈاکٹر دلشاد*

کسی متنازعہ معاملہ کو ثابت کرنے والے ذرائع ثبوت میں سے ایک ذریعہ ثبوت شہادت ہے یہ ہماری عدالتی زندگی میں بہت معروف اور عام فہم اصطلاح ہے لغت کی رو سے شہادت کے معنی ''خبر قطعی'' ہیں۔(۱)

شریعت کی اصطلاح میں شہادت کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

اخبار صدق لا ثبات حق بلفظ الشهادة فی مجلس القاضی (۲)

شاہد بمعنی گواہ شہادۃ سے ماخوذ ہے۔ اسلامی قانون میں شہادۃ کا لفظ خالص قانونی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے شہادۃ اس قطعی اور فیصلہ کن بیان کا نام ہے جو قانونی عدالت میں حاضر ہو کر کسی ایسے معاملے کے متعلق دیا جاتا ہے جسے بیان کرنے والے نے بنفس نفیس دیکھا ہو۔(۳)

''شاہد وہ شخص ہے جو کسی واقعے کو دیکھنے کے بعد عدالت میں یا ان لوگوں کے سامنے جو عدالت کی طرف سے مجاز ہوں حاضر ہو کر سچا بیان دے''(۴)

قرآن کے ضابطہ شہادت کا ایک اصول یہ ہے:

یـاایهـا الـذیـن امـنـو ان جـاء کـم فـاسق بـنـبـا فتبینـو (۵)

ترجمہ:

اے مسلمانوں اگر کوئی ایسا شخص تمھارے سامنے کوئی بات کرے جس کا دینی و اخلاقی کردار درست نہ ہو تو اس کی بات کی اچھی طرح چھان پھٹک کر لیا کرو۔

چھان پھٹک کو موثر بنانے کے لیے جو تکنیک استعمال کی جائے وہ خود مسلمان طے کریں گے۔ مثلاً جرح کے اصول و ضوابط (Cross Examination) گواہ کو بلائے اس سے عدالت میں سوال و جواب یا کسی قاضی کی اپنے طور سے پوچھ گچھ وغیرہ کے ضوابط وضع کئے جا سکتے ہیں۔ ایسے تکنیکی امور کے لیے نبی اکرم ﷺ نے اپنے عمل سے اور صحابہ کرام اور فقہاء نے عہد بہ عہد اپنے تجربے، تدبیر اور عقل سے ہمیں بہت کچھ بتا دیا ہے۔

اسلامی قانون شہادت (Law of Evidence) کی تین اقسام ہیں:

۱) شہادت

---

* پرنسپل، گرلز ڈگری کالج، کوہاٹ روڈ، پشاور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲) اقرار

۳) حلف بالیمین

قرآن مجید سے شہادت کے خدوخال بیان کئے جاتے ہیں۔قرآن میں آتا ہے کہ ہر مسلمان کے لیے شہادت دینا واجب ہے اور شہادت کو چھپانا حرام ہے خواہ وہ اپنے خلاف ہی جاتی ہو۔قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

ولا تکتمو االشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ (۶)

ترجمہ:

شھادۃ کومت چھپاؤ، جوکوئی اس کو چھپائے گا اس کا دل گہنگار ہے۔

دوسری جگہ فرمان الٰہی ہے:

یاایھا الذین اٰمنو کونو قوامین بالقسط شھداء للّٰہ و لو علی انفسکم او الوالدین والاقربین (۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو خواہ اس میں تمھارا یا تمھارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔''

مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلموں کو بحالت مجبوری گواہ بتانے کی اجازت ہے۔ جہاں گواہ بنانا اختیاری ہو وہاں مسلمان صرف مسلمان کو ہی گواہ بنائیں۔البتہ ذمیوں کے گواہ ذمی بھی ہو سکتے ہیں۔گواہ قابل اعتماد ہو جھوٹا نہ ہو۔ ضاعن نہ ہو، سزا یافتہ نہ ہو اور ملزم سے دشمنی نہ رکھتا ہو۔اس لیے کہ معاشرے میں گواہ کی حیثیت ایک نگہبان اور فوجدار کی سی ہوتی ہے۔کسی غیر ذمہ دار شخص کو شہادت کی ذمہ داری سونپنا جو صحت معاشرے کی یا سواری کی کما حقہ، احساس نہیں رکھتا۔ اس کی نگاہ میں اتنی گہرائی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ غیر متعلقہ اور غیر ذمہ دار شخص ہے جیسا کہ قرآن کریم میں حکم ہے:

اثنن ذو عدل منکم او آخر ان من غیر کم......فیقسمٰن باللّٰہ (۸)

ترجمہ: یعنی تم سے دو مرد عادل (یعنی صاحب اعتبار) گواہ ہوں یا اگر (مسلمان نہ ملیں) تو دوسرے مذہب کے دو گواہ......اور دونوں خدا کی قسم کھائیں۔''

ہاں اگر گواہ کا کردار مشکوک ہو (یعنی فاسق ہو) تو قرآن سے تائید و توثیق (Corroboration) حاصل کر کے اس کی گواہی معتبر گردانی جا سکتی ہے۔

قرآن مجید کا فرمان ہے:۔

یاایھا الذین اٰمنو ان جاء کم فاسق بنبا فتبینو (۹)

ترجمہ: ''اے مومنو! اگر تمھارے پاس ایسا آدمی کوئی بات کہلائے جس کا کردار مشتبہ ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو اس کی بات کی اچھی طرح چھان بین کر لیا کرو۔''

شہادت بالقرآئن (Circumstanees Evidence) ایسے تحقیق کے لیے معتبر ہے۔ گواہوں کی کم از کم تعداد دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں جو ان جرائم میں حدود نافذ کرتی ہیں ان میں عورت کی گواہی قبول نہیں۔ جو قرآن کریم میں فرمان ہے:

واتشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکون رجلین فرجل و امراتن ممن ترضون من الشھداء ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخریٰ (۱۰)

ترجمہ: ''اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو تا کہ اگر ان میں س ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔''

ایک نظام کے جملہ اجزاء آپس میں تنظیم کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔ اس لئے اس نظام کی ہر چیز کو اس کے پورے ماحول اور سیاق و سباق کو مدنظر رکھ کر سمجھنا چاہیے۔ اب یہ سوال کہ عورت کی شہادت کو مالی معاملات میں مرد کی شہادت کا نصف کیوں قرار دیا اس کے بعض عمرانی اور نفسیاتی اسباب ہیں اس سے دو باتیں قطعی طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ عورت شہادت کی قابلیت رکھتی ہے جس کا جواز مندرجہ بالا آیت سے ثابت ہے۔ لیکن شہادت دینے کے لیے کچھ شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے جس طرح مرد کو شہادت دینے کے لیے کچھ شرائط کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ قرآنی آیت سے ثابت ہے کہ دو عورتیں مل کر شہادت دیں اور ایک عورت دوسری عورت کی تصدیق و تائید کرے۔ اس کی مصلحت یہ ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں زیادہ جذباتی مخلوق ہے اس کا عملی شعور بھی مردوں کے مقابلے میں زیادہ محدود ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ زیادہ تر گھر کے اندر رہتی ہے اس لیے ذرائع معلومات محدود ہوتے ہیں اور شاید اس وجہ سے بھی عورتوں کو عدالتوں تک لے جانے کی حوصلہ شکنی بھی مقصود ہے۔ بہرحال جہاں یہودی قانون شہادت میں عورت کی گواہی کو قطعاً ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے۔ وہاں اسلام نے عورت کو گواہی کا حق دیا ہے اگر چہ توثیق باھمی کے ساتھ بہرحال جہاں مردوں کی نظر نہیں جاتی وہاں عورتوں کی بلکہ ایک عورت کی شہادت بھی مقبول ہے۔ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت ناقابل قبول ہے اس لیے کہ عورتوں کو حکم الٰہی ہے:۔

و قرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة (۱۱)

ترجمہ: یہ وہ اپنے گھروں میں مقیم رہیں اور جاہلیت کے دور کی طرح اپنے حسن کی نمائش نہ کرتی پھریں۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہادت علی شہادت: شہادت علی شہادت چونکہ خود شہادت جیسی ہے اس لیے قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ جرح وغیرہ کے ذریعے اس کو پرکھا نہیں جا سکتا البتہ بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً لوگوں کی اچھی خاصی تعداد اگر اس طرح ایک بات پر جمع ہو جائیں کہ عقل صریح کو اس کے انکار کی مجال نہ ہو (۱۲) ''شہادۃ علی شہادۃ میں ضروری ہے کہ اصل مرد شاھد پر دو مرد فرعی شہادت دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ چنانچہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شاھد اصلی کے دو فرعی گواہ الگ الگ ہوں بلکہ یہ کافی ہے کہ دو افراد) گواہ پر اصلی گواہ کے شاھد ہوں۔'' (۱۳)

شہادت لیتے وقت عدالت (Court) کے لیے حقیقت کا ذاتی علم ضروری ہیں۔ شہادتوں سے اخذ شدہ علم کافی ہے۔ حلفیہ بیان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور اسے درست ہی تسلیم کیا جائے گا جب تک یہ بات غلط ثابت نہ ہو جائے۔ ذاتی اور اندرون خانہ باتوں کے لیے عورتوں کی شہادت معتبر سمجھی جائے گی۔ یہ تمام پہلو مندرجہ ذیل آیت سے اخذ ہوتے ہیں۔

یا ایھا الذین امنو اذا جاء کم المومنات مھاجرات فامتحنوھن اللہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن مومنٰت فلا ترجعوھن الی اللکفار o

(۱۴)

''ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمھارے پاس مومن عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں تو ان کی آزمائش کر لو۔ اللہ تو ان کے ایمان خوب جانتا ہے۔ سو اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو۔''

شہادت یا اقرار:

اقرار بھی شہادت کی ایک قسم ہے لیکن یہ وہ شہادت یا گواہی ہے کوئی دوسرا کسی کے خلاف نہیں دیتا ہے۔ کسی شخص کے اپنے اقرار سے بھی ایک واقعے کی حقیقت ثابت ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

ترجمہ:

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو۔ خواہ وہ تمھارے اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ (۱۵)

اقرار بھی شہادت کا ایک طریقہ ہے۔ جمہور فقہاء کے ہاں اقرار غیر کے حق کو اقرار کرنے والے کے ذریعے ثابت کرتا ہے۔ جرائم حدود میں اقرار چار مرتبہ صریح، بلا اکراہ اور بقاء ہوش و حواس ہونا ضروری ہے۔ انحراف شدہ اقرار (Retracted Confession) کی بناء پر سزا نہیں دی جا سکتی۔ اقرار و الزام کے شریک ثانی (Co-assused) کو مستوجب سزا نہیں بناتا۔ (۱۶)

پس شہادت کی فقہی تعریف یہ ہے ''عدالت میں لفظ گواہی کے ساتھ حق ثابت کرنے کے لیے سچی خبر دینا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہادت کہلاتا ہے‘‘(۱۷)۔اصطلاح فقہ میں شہادت کے ساتھ وہ سچی خبر بیان کی جائے جو گواہی دینے والے نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو۔(۱۸)

عدالت اور مجلس قضاء کی قیو سے وہ خبر آزاد ہوگئی جو کسی دوسرے مقام پر ہو اور صدق کی قید سے جھوٹی خبر خارج ہوگئی۔اور مشاہدہ کی قید سے وہ خبر خارج ہوگئی جو بذریعہ سماع یا بصورت خط وغیرہ معلوم ہوئی ہواور لفظ شہادت سے وہ خبر اور بیان خارج ہوگیا جو شہادت کی نوعیت سے نہ پیش کرے۔فقہاء اس بیان کو شہادت کی نوعیت سے نہ پیش کرے۔فقہاء اس بیان کو شہادت کہتے ہیں۔جو غیر کے حق کے لیے غیر کے خلاف مجلس عدالت میں قاضی کے روبرو دیا جائے۔اس معنی کے لحاظ سے شہادت کی مختلف تعریفیں ہیں۔حنفیہ سے اکمل الدین البابرتی شارح ہدایہ نے یوں شہادت کی تعریف کی ہے:۔

اخبار صدق لا ثبات حق بلفظ الشهادة فی مجلس القضاء(۱۹)

مجلس قضاء میں حق کو ثابت کرنے کے لیے لفظ شہادت کے ساتھ سچی گواہی کو شہادت کہتے ہیں۔اور مالکیوں میں الدیر نے شہادت کی تعریف یوں کی ہے:۔

بانها اخبار حاکم من علم ليقضی بمقتضاء (۲۰)

شہادت وہ خبر جس کا حاکم کو فیصلے کے لیے جاننا ضروری ہے۔اور شافعیہ میں سے الجمل کہتے ہیں:۔

اخبار بحق الغير على الغير بلفظ اشهد (۲۱)

وہ خبر جو غیر کے حق میں غیر کے خلاف دے۔اور حنابلہ میں سے شیخ عبدالقادر ابن عمر الشیبانی کہتے ہیں:۔

الا خبار بما علمه بلفظ اشهد او شهدت (۲۲)

ذکر عند رسول اللهﷺ الرجل يشهد بشهادة‘‘ ، فقال لی! ’’يا ابن عباسؓ لا تشهد الا علی ما يغنی لک لضياء هذه الشمس و او مار سول اللهﷺ بيده الى الشمس (۲۳)

رسول کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص کی شہادۃ کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا! اے ابن عباسؓ اس وقت تک شہادت نہ دو جب تک تجھے سورج کی طرح روشن نہ ہو جائے اور نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے سورج کی طرف اشارہ کیا۔

پس شہادت کی اصطلاحی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ حاکم عدالت کے روبرو مدعی اور مدعا علیہ کی اصالتاً و کالتاً یا کلما موجودگی میں اشھد کا لفظ استعمال کر کے یا کسی ایک شخص یا اشخاص یا جماعت کے ذمے ثابت ہونے کی سچی اطلاع بہم پہنچانا شہادت ہے۔مجلۃ الاحکام العدلیہ کی دفعہ ۱۶۸۴ میں شہادت کی یوں تعریف کی گئی ہے۔الشهادة هی الاخبار بلفظ الشهادة یعنی یقول اشهد باثبات حق احد فی ذمۃ الاخر فی حضور الحاکم وواجهۃ الخصمین‘‘(۲۴) یعنی لفظ شہادت کے ساتھ کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک کے حق کو دوسرے کے ذمے حاکم عدالت کے روبرو اور فریقین مقدمہ کی موجودگی میں ثابت کرنے کے لیے خبر دینا شہادت کہلاتا ہے۔''فقہاء نے اداءِ شہادت کی وقت لفظ شہادت دیتا ہوں کی صراحت کو ضروری قرار دیا ہے۔ گواہ کا صرف اپنا علم و یقین ظاہر کر دینا کافی نہیں (۲۵)۔ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ شہادت کی قبولیت کے لیے لفظ ''اشھد'' بعینہ مضارع ایک لازمی امر ہے خواہ شہادت حدود وقصاص کے مقدمات میں ہو کا کسی حق کے بارے میں چونکہ اس لفظ کی تاکید کی شدت اور یہ لفظ صریح الفاظ میں شمار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا گواہی دیتے وقت اس لفظ کے استعمال کا ثبوت اجماع ہے۔ (۲۶)

ھی اخبار عن مشاھدۃ و عیان لا عن تخمین و حبان (۲۷)

یعنی شہادت کسی واقعہ کے بارے میں اپنے مشاہدے اور دید کے مطابق خبر دینے کو کہتے ہیں نہ کہ ظن وتخمین کی بنیاد پر۔
مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے

یلزم ان یکون الشھود قدعاینہ بالذات المشھد بہ وان یشھد و اعلی ذلک الوجمہ ولا یجوز ان یشھد بسماع (۲۸)

گواہ کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کی شہادت دے اسے اس نے خود دیکھا ہو اور اپنی شہادت میں یہی کہے کہ یہ جائز نہیں کہ محض سماعت کی بنیاد پر شہادت دے۔ شہادت کی فقہی اور اصطلاحی بحث اس کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کرتی ہے اور معاشرے میں انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے شہادت کی ضرورت کو واضح کرتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ابن عابدین: محمد امین الشیخ ''ردالمختار علی الدرالمختار''، مطبوعہ بلوچستان، کوئٹہ، ۱۳۹۹ھ، ج ۴، ص ۴۱۱

۲۔ ایضاً

۳۔ العینی بدرالدین ''عمدۃ القاری''، طبع مصر، ۱۹۲۹ء، ج ۴، ص ۱۱۱

۴۔ ایضاً، ج ۴، ص ۳۶۲

۵۔ القرآن ۶:۴۹

۶۔ القرآن ۲۸۳:۲

۷۔ القرآن ۳۵:۴

۸۔ ایضاً

۹۔ القرآن ۶:۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰۔ القرآن ۲:۲۸۲

۱۱۔ القرآن ۳۳:۳۳

۱۲۔ خالد اتاسی، مجلۃ دفعہ ۱۶۷۲ (سطن)

۱۳۔ ابن عابدین، ''ردالمختار علی درالمختار''، مطبوعہ بلوچستان، کوئٹہ، ۱۳۹۹ھ، ج ۴، ص ۳۹۳

۱۴۔ القرآن ۴۰:۱۰

۱۵۔ القرآن ۴:۱۳۵

۱۶۔ السیوطی، عبدالرحمٰن (جلال الدین) ''الاشباہ والنظائر فی قواعد وفروع فقہ الشافعیہ، قائرہ، مطبع مصطفٰی البابی، الحلبی، ۱۳۲۲ھ، ج ۳، ص ۲۱۰

۱۷۔ الرغینانی: برھان الدین الحسن علی بن ابوبکر ''الھدایہ''، مطبوعہ، ملتان، ج ۳، ص ۷۹

۱۸۔ ایضاً، حوالہ مذکور

۱۹۔ الموسوعۃ الفقہی، کویت، وزارت الاوقاف، السئو دن الاسلامیۃ، کویت، ۱۹۹۲ء، ج ۶، ص ۱۲

۲۰۔ ابن ہمام کمال الدین عبدالواحد، ''فتح القدیر''، طبع بیروت، ج ۶، ص ۱۲

۲۱۔ الموسوعۃ الفقہی محولا بالا، ج ۲۶، ص ۲۱۵

۲۲۔ الموسوعۃ الفقہی، محول بالا، ، ج ۲۶، ص ۲۱۶

۲۳۔ ترمذی، ''سنن ترمذی''، (کتاب الشھادت)، طبع ۱۳۹۸ھ، محمد بن عیسٰی

۲۴۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ، ''رستم باز لینانی طبع بیروت، ۲۰۰۱ء

۲۵۔ مرغینانی، ''الھدایہ''، طبع کراچی، ج ۳، ص ۱۴۰

۲۶۔ ابن نجیم: شیخ زین الدین، ''البحر الرائق علی کنز الرقائق''، مصر، ج ۷، ص ۵۵

۲۷۔ ایضاً، محولہ بالا، ''بحر الرائق''، ج ۷، ص ۵۵

۲۸۔ المجلۃ الاحکام العدلیہ طبع بیروت دفعہ ۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہبی رواداری : مفہوم اور تصور، قرآن واحادیث کی روشنی میں

ڈاکٹر مسرّت جہاں*

رواداری کے معنی برداشت کے ہیں اور مذہبی رواداری کا مفہوم یہ ہے کہ مذہب سے متعلق جو مختلف آراء اور نظریات ہیں ان کا احترام کیا جائے اور اپنے اندر دوسرے کی رائے سننے اور سمجھنے کی قوت برداشت پیدا کی جائے، رائے کا اختلاف درحقیقت ایک فطری اور جبلی چیز ہے جس طرح دنیا بھر کے انسانوں میں رنگ، نسل اور زبان کا اختلاف پایا جاتا ہے اور اسے آیۃ من آیات اللہ قرار دیا جاتا ہے اسی طرح انسانی عقول اور مدارک میں اختلاف اور ان کی وجہ سے رائے اور نظریات کا اختلاف پیدا ہونا بھی اللہ رب العزت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور انسانی فطرت کا تقاضہ ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

ولو شاء ربک لجعل الناس امة واحدة ولا يزالون مختلفين (۱)

اور اگر آپ کے رب چاہتے تو لوگوں کو ایک امت بنا دیتے (لیکن ایسا منظور نہ ہوا اسلئے) ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔

لیکن قرآن کریم واحادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے وہ احکام جن کے بارے میں شریعت نے واضح انداز میں بیان کر دیا ہے اور ان میں کسی قسم کا ابہام نہیں چھوڑا ان احکام میں مزید غور وفکر اور اس کے نتیجہ میں آپس میں اختلاف کو شریعت نے پسند نہیں کیا اور نہ ہی اس کی اجازت دی ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذى اوحينا اليک وما وصينا
به ابراهيم و موسى وعيسى ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه (۲)

اللہ تعالی نے تم لوگوں کے واسطے ہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسی کو حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

احادیث مبارکہ میں جہاں کہیں اختلاف کی مذمت آئی ہے اس سے یہی اعتقادی اور اصولی احکام میں اختلاف مراد ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ''معارف القرآن'' میں سورہ شوری کی آیت نمبر ۱۵ کے ذیل میں فرماتے ہیں:

---

* نگراں، شعبہ القرآن والسنۃ، جامعہ کراچی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''دین مشترک بین الانبیاء اصول عقائد یعنی توحید، رسالت، آخرت پر ایمان اور اصول عبادات، نماز، روزہ، حج، زکوۃ کی پابندی ہے نیز چوری، ڈاکہ، زنا، جھوٹ فریب، دوسروں کو بلا وجہ شرعی ایذا دینے وغیرہ اور عہد شکنی کی حرمت ہے جو سب ادیان سماوی میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں، اور یہ بھی نص قرآنی سے ثابت ہے کہ فروع احکام میں انبیاء کی شریعتوں میں جزوی اختلاف بھی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: لکل امة جعلنا منکم شرعة ومنهاجا، اس مجموعہ سے ثابت ہوا کہ آیت کے اس جملہ میں جس دین کی اقامت کا حکم اور اس میں تفریق کی ممانعت مذکور ہے وہ وہی احکام الٰہی ہیں جو سب انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں انہی میں تفرق واختلاف حرام اور موجب ہلاکت امم ہے، حدیث: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک سیدھا خط کھینچا، پھر اس خط کے دائیں بائیں دوسرے چھوٹے خط کھینچے اور فرمایا کہ یہ دائیں بائیں کے خطوط وہ طریقے ہیں جو شیاطین نے ایجاد کیے ہیں اور اس کے ہر راستے پر ایک شیطان مسلط ہے جو لوگوں کو اس طرف چلنے کی تلقین کرتا ہے، اور پھر سیدھے خط کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وان هذا صراطی مستقیما فاتبعوه یعنی یہ میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی کا اتباع کرو، (رواہ احمد والنسائی والدارمی، مظہری) اس تمثیل میں صراط مستقیم سے وہی دین قیم کا راستہ مراد ہے جو سب انبیاء علیہم السلام میں مشترک چلا آرہا ہے، اس کے اندر شاخیں نکالنا یہ تفرق حرام اور شیاطین کا عمل ہے اور انہی اجماعی اور متفق علیہ احکام میں تفرقہ ڈالنے کی شدید ممانعت احادیث صحیحہ میں آئی ہے''۔(۳)

البتہ اجتہادی مسائل یعنی وہ مسائل جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں واضح نصوص نہیں آئی ہیں ان میں اجتہاد کے ذریعہ مختلف آراء قائم کرنا اس کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اسی اختلاف کو حدیث میں رحمت قرار دیا گیا ہے اور یہ اختلاف خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کبھی رونما ہو جاتا تھا، مثلاً غزوۂ خندق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ واپس تشریف لائے تو جبرئیل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے ہتھیار وغیرہ اتار دئے لیکن فرشتے تو بنو قریظہ سے نمٹ کر ہتھیار اتاریں گے، یہ سن کر آپ نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بنو قریظہ کے علاقہ میں پہنچنے کا حکم دیا، اور اس موقعہ پر یہ جملہ ارشاد فرمایا:

لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظة (۴)

تم میں سے کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے گا مگر بنو قریظہ کے علاقہ میں جا کر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہاں پہنچنے میں کچھ تاخیر ہوگئی اور نماز عصر کا وقت ختم ہونے لگا، صحابہ کرامؓ نے مشورہ کیا کہ کیا ہونا چاہیئے؟ ایک فریق نے کہا کہ جب حضور نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ بنو قریظہ کے یہاں پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھی جائے تو اب راستہ میں نماز پڑھنے کا کیا جواز ہے؟ دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ حضور کے حکم کا منشاء یہ تھا کہ ہمیں جلد از جلد عصر کا وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے بنو قریظہ پہنچ جانا چاہیے اور عصر کی نماز وہاں پڑھنی چاہیے لیکن اب جبکہ ہم غروب سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکتے تو نماز عصر قضاء نہیں کرنی چاہیے چنانچہ اس فریق نے راستہ میں نماز عصر پڑھ لی اور پھر بنو قریظہ پہنچے۔

جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو دونوں فریق نے اپنا اپنا عمل پیش کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تصویب فرمائی کسی پر نکیر نہیں فرمائی کیونکہ دونوں فریق منشاء نبوی کی تعمیل میں کوشاں تھے (۵)۔

یہ اختلاف کوئی اصولی اور نظریاتی اختلاف نہیں تھا بلکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کا منشاء سمجھنے میں اختلاف ہوگیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ میرے کسی بھی قول کی مراد سمجھنے میں دو رائے ہوسکتی ہیں اور یہ کوئی ناپسندیدہ امر نہیں، یہ اجتہادی اختلاف حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین بھی ہوتا رہا اور پھر تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری میں اسی اختلاف کی بنیاد پر چار مشہور فقہی مذاہب وجود میں آئے، اور مسائل واحکام میں اختلاف کا سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے۔

یہ اجتہادی اختلاف تو واقعی امت کے لئے رحمت تھے، انہیں کبھی باہمی تفرقہ اندازی اور گروہ بندی کا ذریعہ نہیں بنایا گیا، اسلامی تاریخ پر اگر اس زاویہ سے نگاہ ڈالی جائے تو مذہبی رواداری، حلم، بردباری، دوسرے کی رائے کا احترام اور مخالفین کی بات برداشت کرنے کی ایسی مثالیں ملیں گی کہ اس زمانہ میں اس کا تصور بھی مشکل ہے، ان میں سے چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

۱- علامہ ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مابین تقریباً سو کے قریب مسائل میں اختلاف تھا (۶) لیکن اس اختلاف کی وجہ سے ان کی باہمی محبت ومودت میں کوئی کمی نہیں آئی، یہی عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو حضرت فاروق اعظمؓ کے بارے میں فرماتے ہیں:

فانه كان للاسلام حصنا حصينا يدخل الناس فيه ولا يخرجون منه،
فلما اصيب عمر انثلم الحصن (۷)

عمر اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے لوگ اس میں داخل ہوتے تھے اور اس سے باہر نہیں نکلتے تھے، لیکن جب عمر کو شہید کر دیا گیا تو یہ قلعہ ٹوٹ گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں حضرت عمرؓ کے جذبات کا اندازہ ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تشریف فرما تھا سامنے سے حضرت ابن مسعودؓ تشریف لاتے ہوئے دکھائی دئے تو حضرت عمرؓ نے حاضرین سے فرمایا:

کنیف ملئ علما آثرت به اهل القادسية (۸)

ایک برتن ہے جو علم سے بھرا ہوا ہے، میں نے انہیں اہل قادسیہ پر ترجیح دی ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ میں میراث جد کے بارے میں بڑا شدید اختلاف تھا ایک مرتبہ تو حضرت ابن عباسؓ نے یہاں تک فرمادیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جو لوگ اس مسئلہ میں مجھ سے اختلاف رکھتے ہیں وہ اور میں رکن ابراہیمی پر جمع ہوں اور اس پر ہاتھ رکھ کر مباہلہ کریں (۹) لیکن ایک دوسرے سے محبت اور احترام کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابتؓ کو دیکھا کہ سواری پر سوار ہو کر تشریف لے جارہے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے ان کی سواری کی لگام پکڑلی اور لگام پکڑ کر آگے آگے پیدل چلنا شروع کردیا، حضرت زید بن ثابتؓ نے عرض کیا کہ اے ابن عم رسول! ہٹیئے یہ کیا کررہے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا کہ ہمیں اپنے علماء اور بڑوں کے ساتھ اسی احترام کا حکم دیا گیا ہے، یہ سن کر حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ مجھے ذرا اپنا ہاتھ دیں حضرت ابن عباسؓ نے اپنا ہاتھ بڑھایا، انہوں نے فوراً اسے چوم لیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی اپنے نبی کے اہل بیت کے ساتھ اسی احترام کا حکم دیا گیا ہے (۱۰)۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام آپس کے علمی اختلاف کے باوجود عام معاملات اور معاشرت میں ایک دوسرے کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھا کرتے تھے۔

لوگ فقہاء کرام رحمہم اللہ کے باہمی اختلاف کو کس انداز سے اچھالتے ہیں اور ایک امام کے مقلد دوسرے امام اور ان کے مقلدین پر نعوذ باللہ کیا کچھ طعن و تشنیع نہیں کرتے، لیکن اگر ہم ان ائمہ دین کے حالات پر نگاہ ڈالیں تو وہ ان سب کچھ اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کی تعریف اور توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

۳۔ لیث ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کو دیکھا کہ پیشانی سے پسینہ صاف فرمارہے ہیں میں نے عرض کیا کہ کیا بات ہے؟ فرمایا کہ ابوحنیفہ کی وجہ سے پسینہ آگیا بیشک وہ تو عظیم فقیہ ہیں، لیث فرماتے ہیں پھر میں امام ابوحنیفہ سے ملا اور ان سے عرض کیا کہ امام مالکؒ آپ کی بڑی تعریف کرتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں نے مالک سے زیادہ سریع الجواب کسی کو نہیں پایا (۱۱)۔

۴۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مـالك ابن انس معلمی وعنه اخذت العلم واذا ذکر العلماء فمالک کاالنجم"(۱۲)

مالک بن انس میرے استاذ ہیں اور انہی سے میں نے علم حاصل کیا ہے اور جب علماء کا ذکر کیا جائے گا تو امام مالکؒ ان میں چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہوں گے۔

۵-امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ امام شافعیؒ کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ امام احمدؒ کے صاحبزادے نے ان سے دریافت کیا کہ ابا جان! امام شافعیؒ کیسے آدمی تھے؟ آپ اکثر ان کے لئے دعا کیا کرتے رہتے ہیں، امام احمدؒ نے فرمایا کہ بیٹا! امام شافعیؒ دنیا کے لئے سورج کی طرح اور لوگوں کے لئے عافیت کی مانند تھے، تم بتاؤ سورج اور عافیت کا کوئی بدل ہوسکتا ہے؟ (۱۳)

۶-زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں تحریک پاکستان کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا اختلاف مشہور و معروف ہے اور اس سلسلہ میں ان دونوں اکابر کے نظریات میں کیا بون بعید تھا وہ بھی سب پر آشکارا ہے لیکن اس اختلاف کے باوجود ان حضرات کی ایک دوسرے کے بارے میں کیا رائے تھی؟ یہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور مذہبی رواداری کی اس زمانہ میں اس سے بہتر شاید ہی کوئی نظیر ہو، حضرت تھانویؒ حضرت مدنیؒ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''میں مولانا سید حسین احمد صاحب کو ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین جانتا ہوں، البتہ مجھے ان سے حجت کے ساتھ اختلاف ہے، اگر وہ حجت رفع ہوجائے تو میں ان کے ماتحت ایک ادنی سپاہی بن کر کام کرنے کے لئے تیار ہوں (۱۴)۔

اور حضرت مدنیؒ حضرت تھانویؒ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

''واقعہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ تو حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتہم کا نہایت معتقد اور ان کی تعظیم واحترام کو نہایت ضروری سمجھتا ہے، ان کی قابلیت اور کمالات کے سامنے اتنی بھی نسبت نہیں رکھتا جو طفل دبستان کو افلاطون سے ہوسکتی ہے ....میں مولانا کو اپنا مقتدی اور اپنے اکابرین میں سمجھتا ہوں'' (۱۵)۔

یہ ان حضرات کی ایک دوسرے کے بارے میں رائے ہے جن کے نام لیوا کانگریس اور مسلم لیگ کے عنوان سے عرصہ تک باہم دست وگریبان رہے اور آج بھی ایک دوسرے پر طعن وتشنیع کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس زمانہ میں مذہبی رواداری کی ضرورت سے کون انکار کرسکتا ہے اس کی اہمیت اور ضرورت روز روشن کی طرح سب پر عیاں ہے، آج ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم میں رفتہ رفتہ مذہبی رواداری ختم ہوتی جارہی ہے اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے درمیان جو تفرقہ بازی اور گروہ بندی ہورہی ہے وہ ہمیں دیمک کی طرح چاٹتی جارہی ہے، کہیں حنفی شافعی کا جھگڑا ہے کہیں سنی شیعہ کا جھگڑا کہیں دیوبندی بریلوی کا اختلاف اور کہیں مقلد وغیر مقلد کا نزاع، نتیجہ یہ ہے کہ ہم سب ایک کلمہ گو ہونے اور ایک نبی کے امتی ہونے کے باوجود انتشار اور افتراق کا شکار ہیں، ہمارا دشمن توپ و تفنگ سے جو کام نہیں لے سکا وہ ہم نے مذہبی رواداری کو ترک کر کے کرلیا، حالانکہ جن لوگوں کے نام لے لے کر باہم دست و گریبان ہیں ان کا اپنے مخالفین کے ساتھ کیا معاملہ تھا اس کی ایک جھلک پیچھے آچکی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''احکام و مسائل میں اختلاف تو بیحد ہیں لیکن اگر ہر دو مسلمان جو اختلاف رکھتے ہیں وہ باہمی تعلق کو بھی منقطع کرلیں تو پھر مسلمانوں میں نہ کوئی بھائی چارہ باقی رہیگا اور نہ ہی جان و مال کی عصمت و حفاظت (۱۶)۔

اور علامہ ابن عبدالبرؒ نے ''الانتقاء'' میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

> ''ہم جو کچھ پیش کرتے ہیں یہ ایک رائے ہے ہم کسی کو اس کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے، اگر کسی کے پاس اس سے بہتر رائے ہو تو وہ پیش کرے (۱۷)۔

امام صاحبؒ کے یہ الفاظ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں اور اس سے اختلاف کی حدود معلوم ہوتی ہیں۔

ان ارشادات اور واقعات کی روشنی میں مذہبی رواداری کو فروغ دینے کے لئے کچھ اصول اخذ کئے جاسکتے ہیں:

۱- اعتقادی اور اصولی مسائل میں اختلاف کرنا مذموم ہے، ان کے بارے میں قرآن و سنت میں جو صریح احکام منقول ہیں انہی کے مطابق عقیدہ و نظریہ رکھنا ضروری ہے۔

۲- اجتہادی مسائل میں اختلاف رائے کی گنجائش ہے۔

۳- جو بھی رائے اختیار کی جائے وہ نیک نیتی سے اختیار کی جائے، اتباع ہوی مقصود نہ ہو۔

۴- اختلاف کو اختلاف ہی کی حد تک رکھا جائے اسے مخالفت اور باہمی افتراق کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

۵- اپنی رائے کو زبردستی کسی پر مسلط نہ کیا جائے۔

۶- دوسرے کا موقف غور سے سنا جائے اور اسے برداشت کیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷۔ اپنی رائے کو دلائل سے مبرہن کر کے دوسروں کے سامنے پیش کر دیا جائے لیکن اسے قبول کرنے پر اصرار نہ کیا جائے۔

۸۔ ایسی باتوں اور ایسے افعال سے احتراز کیا جائے جو فریق مخالف کی دل شکنی کا باعث ہوں۔

۹۔ فریق مخالف کے دیگر معاشرتی حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے اور باہمی مقاطعہ اور قطع تعلق سے مکمل احتراز کیا جائے۔

یہ اصول مذہبی رواداری کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کریں گے، ان اصولوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر کوئی رائے قائم کی جائے گی تو انشاء اللہ وہ امت کے لئے رحمت ہی کا باعث بنے گی۔

حوالہ جات:

۱۔ القرآن ۱۱۸:۶

۲۔ القرآن ۱۵:۴۲

۳۔ محمد شفیع، معارف القرآن، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۹۴ء، ج ۷، ص ۶۷۸

۴۔ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، دمشق، دار ابن کثیر، ۱۹۹۰ء، ج ۱، حدیث نمبر ۹۰۴، ص ۳۲۱

۵۔ احمد بن حسین البیہقی، دلائل النبوۃ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۵ء، ج ۴، ص ۷

۶۔ محمد بن ابی بکر ابن القیم، اعلام الموقعین، مصر، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ج ۲، ص ۲۱۸

۷۔ محمد ابن حزم، الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۵ھ، ج ۶، ص ۶۱

۸۔ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار صادر، ۱۹۵۸ء، ج ۴، ص ۱۶۱

۹۔ محمد عوامہ، ادب الاختلاف فی الاسلام، بیروت، دار البشائر الاسلامیۃ، ۱۹۹۷ء، ص ۶۵

۱۰۔ علی المتقی، کنز العمال، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۵ء، ج ۷، ص ۳۷

۱۱۔ یوسف بن عبد البر، الانتقاء، شام، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، ۱۹۹۷ء، ص ۱۶

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ عاشق الٰہی البرنی، تکملۃ الاعتدال فی مراتب الرجال، کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۱۹۷۷ء، ص ۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ احمد بن عبدالحلیم (ابن تیمیہ)، مجموع فتاوی ابن تیمیہ، مکۃ المکرّمۃ، مطبعۃ الحکومۃ مکۃ المکرّمۃ، ۱۳۸۱ھ، ج۲۴، ص۱۷۳

۱۷۔ یوسف بن عبدالبر، الانتقاء، شام، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، ۱۹۹۷ء، ص۱۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مروجہ پیشہ وکالت کی شرعی حیثیت
عصر حاضر کے تناظر میں

ڈاکٹر سید عبدالمالک آغا*

ملخص:

سوال یہ ہے کہ کیا وکالة بالخصومة بطور ایک پیشہ وکاروبار وطریقہ اکتساب رزق شرعاً جائز ہے؟ کیا یہ پیشہ صرف مغربی نظام عدل کے توسط سے رواج پذیر ہوا ہے یا اسلامی نظام عدل کی کسی تاریخ میں بھی وکالة بالخصومة بطور ایک پیشہ ثابت ہے؟ کیا اس قانونی پیشے کے ہوتے ہوئے اسلامی نظام عدل وقضاء کا قیام ممکن ہے؟ کیا مذکورہ طریقہ وکالت اصلاح طلب ہے یا اس کو جڑ سے اکھاڑنے کی ضرورت ہے؟ اگر اصلاح طلب ہے تو اس کی خامیاں دور کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس کا انسداد ضروری ہے تو اس پیشے کے خاتمہ کی صورت میں اس کا متبادل نظام کیا ہوگا؟

واضح رہے وکالت عمومی اور پیشہ ورانہ وکالت میں فرق ہے وکالت عمومی (غیر پیشہ ورانہ) تو قرآن حکیم، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ چنانچہ وکالت عمومی کے جواز کے لئے قرآن مجید کے دو مقامات بنیاد اور اساس کی حیثیت رکھتے ہیں (۱) حدیث میں بھی وکالت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مختلف کتب احادیث میں وکالت سے متعلق متعدد ابواب ملتے ہیں مثلاً امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں کتاب الوکالۃ کے تحت سولہ (۱۶) باب باندھے ہیں اور اکیس (۲۱) احادیث بیان فرمائی ہیں (۲) علاوہ ازیں وکالت عمومی اجماع امت سے بھی ثابت ہے (۳) یہاں وکالت عمومی کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ زیر بحث موضوع سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ اصل عنوان مروجہ پیشہ وکالت ہے جو تحقیق طلب ہے۔

پیشہ وکالت:

قانونی پیشہ وکالت کے جواز اور عدم جواز سے متعلق عصر حاضر کے علماء وفقہاء اور ماہرین قانون کے درمیان

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔علماء اور مذہبی اسکالرز کی ایک جماعت کے خیال میں پیشہ وکالت اصلاح طلب ہے۔اس وقت اس میں جو خامیاں پائی جاتی ہیں انہیں اگر دور کیا جائے تو اس قانونی پیشے کے ہوتے ہوئے بھی عدل وقضاء کے تقاضے پورے ہوسکتے ہیں۔جبکہ اس کے علی الرغم ایک طبقہ ان جید علماء وفقہاء اور اسلامی ماہرین قانون کا ہے جن کے نزدیک مذکورہ پیشہ وکالت کی اصلاح قطعاً ناممکن ہے۔اس کو جڑ سے اکھاڑنے کی اشد ضرورت ہے۔

پہلا مکتب فکر:

جو لوگ مروجہ پیشہ وکالت کے جواز کے حق میں ہیں وہ لوگ اسلامی فقہ کی حسب ذیل عبارت کا حوالہ دیتے ہیں:

یجوز التوکیل بالخصومة فی اثبات الدین والعین وسائر الحقوق برضا الخصم (۴)

دین، اشیاء اور جملہ حقوق میں مخالف فریق کی رضامندی سے وکالہ بالخصومہ جائز ہے۔

علاوہ ازیں وہ قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

ولا تکن للخائنین خصیما (۵)

خیانت کرنے والوں کی طرف سے نہ جھگڑیئے۔

پس پیشہ وکالت شرعاً ناجائز نہیں بلکہ کسی حد تک مظلوم کی اعانت ہے۔اس لحاظ سے وکلاء کو چاہیئے کہ مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھیں:

وکلاء کے حقیقی فرائض:

۱۔ عدالت کے کردار کی ادائیگی میں معاونت کرنا یعنی عدل کی بنیاد پر مصالحت مابین فریقین۔

۲۔ فصل خصومات اور تشریح قانون میں معاونت کرنا۔

۳۔ خائنین کی وکالت قبول کرنے سے انکار کے ذریعہ معاشرہ میں دیانت داری کو فروغ دینا اور نتیجتاً باطل دعاوی اور کثرت نالشات کی روک تھام کا ذریعہ بننا۔

۴۔ مظلوم کی امداد اور ظالم کی مخالفت کے ذریعے صاحب حق کا حق دلوانا اور غاصب کو عدالتی استقراء حق کے ذریعہ مظلوم کا حق دینے پر مجبور کرنا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ اپنے حقوق سے ناواقف افرادمعاشرہ کی طرف سے وکالت کر کے ان کو استحصال سے تحفظ فراہم کرنا۔

۶۔ اپنے حلقہ کار میں صحیح رائے کے ذریعے عوام میں اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کا شعور بیدار کرنا۔(۶)

غیر مستحسن وکالت:

اسلامی نظریاتی کونسل کے جوارا کین پیشہ وکالت کی اصلاح کے حق میں ہیں۔ انہوں نے پیشہ وکالت کو غیر مستحسن قرار دیا۔ ان کے خیال میں اس وقت پیشہ وکالت میں جو خامیاں پائی جاتی ہیں ان کی اصلاح ہونی چاہیئے چنانچہ انہوں نے حسب ذیل خامیوں کی نشان دہی کی:

(۱) جھوٹی گواہی اور پیشہ ور گواہ :

''کونسل کے خیال میں پیشہ وکالت اصلاً درست ہے مگر اپنے وصف (Attributes) کے اعتبار سے خراب ہے مثلاً اس میں مقدمہ جیتنے کے لئے گواہوں کو جھوٹ کی تلقین (Tutoring) ہوتی ہے۔ غلط دعویٰ کو سچا ثابت کرنے کے لئے جھوٹے اور پیشہ ور گواہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں''۔(۷)

(۲) طویل مقدمہ بازی:

فریقین مقدمہ اور وکلاء بلاضرورت مقدمے کی تاریخیں لیتے ہیں جس سے عدل رسانی میں تاخیر واقع ہوتی ہے۔ حالانکہ طویل مقدمہ بازی شریعت اسلامیہ کی رو سے سراسر ناجائز ہے اگر قاضی بلاوجہ دیر میں فیصلہ کرے تو وہ گناہ گار ہے' ایسے قاضی کو معزول کر کے سزادی جائے گی۔ الغرض قاضی اخلاقی اور قانونی طور پر پابند ہے کہ مقدمات کو فیصلہ کرنے میں بلاضرورت تاخیر سے کام نہ لے۔(۸)

(۳) زیادہ مقدمات کا لینا :

پیشہ وکالت کی ایک خرابی یہ بھی ہے کہ وکلاء اپنی استطاعت سے زیادہ مقدمات لے لیتے ہیں چنانچہ زیادہ مقدمات لینے کے سبب وکلاء اکثر سب مقدمات کی تیاری صحیح طریقے سے نہیں کر سکتے۔ نتیجتاً یا تو تاریخ لی جاتی ہے اصحیح طور پر دلائل پیش نہیں کئے جاسکتے۔ اس طرح موکل کی حق تلفی روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔(۹)

(۴) وکالت کی فیس :

کونسل کے نزدیک پیشہ وکالت مغربی ''نظام عدل'' کا ایک حصہ ہے جس سے صرف امراء کا طبقہ ہی استفادہ کر سکتا ہے جبکہ غریب طبقہ سستا حصول انصاف سے محروم رہتا ہے اس لئے حکومت کو چاہیئے کہ پیشہ وکالت کو ایک عام آدمی کی مدد کے قابل بنانے کے لئے بلافیس مشورہ اور پیروی کا انتظام کرے۔(۱۰)

الغرض جوارا کین کونسل پیشہ وکالت کی اصلاح کے قائل ہیں انہوں نے مندرجہ بالا خرابیوں کی اصلاح کے لئے اپنی سالانہ رپورٹ ۷۸۔۱۹۷۷ء میں حسب ذیل سفارشات کی تھیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وکلاء کے لئے اصلاحی تجاویز :

(الف) حکومت صوبائی اور مرکزی بار کونسلوں اور بار ایسوسی ایشن سے اسلامی نقطۂ نگاہ سے اصلاحی تجاویز طلب کر کے ان پر عمل درآمد کرے تاکہ وکلاء کی کارگزاری امانت، راست بازی اور حق پسندی کا انعکاس لازمی طور پر ہو سکے کیونکہ وکیل کا حقیقی منصب قضاء اور عدل میں عدالت کی معاونت کرنا ہے۔

(ب) ریڈیو اور ٹی وی سے پیشہ وکالت سے منسلک اصحاب کے لئے اصلاحی پروگرام نشر کئے جائیں۔

(ج) بار روموں میں پیشہ وکالت سے متعلقہ موزوں و برمحل آیات قرآنی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتبات آویزاں کئے جائیں۔

(د) وکلاء کی کردار سازی کی اشد ضرورت ہے لہذا وکلاء کے لئے ایک حلف نامہ تجویز کیا گیا اور طے پایا کہ ایسا حلف اٹھانے کا اهتمام متعلقہ بار کونسل کرے۔ (۱۱)

وکلاء اور علماء کا تعاون :

اس موقعہ پر کونسل کی رائے میں ..... ہمارے بیشتر وکلاء عربی سے ناواقف اور قوانین شریعت سے نابلد ہیں۔ وہ اردو انگریزی تراجم کی مدد سے کچھ دور چل تو سکتے ہیں مگر اصلی مآخذ اور کثیر قانونی اور فقہی ادب ان کے لئے ایک راز سربستہ سے کم نہیں۔ یہی حال ہمارے عدالتی افسروں کا ہے ...... اس لئے کونسل پرزور سفارش کرتی ہے کہ عدالتوں میں وکلاء کے علاوہ مستند مذہبی مدارس کے فارغ التحصیل اور فاضل علماء کو بھی پیروی مقدمات کی اجازت ہونی چاہیئے (۱۲) اس کے علاوہ کونسل کی رائے میں عربی کی ترویج بھی ناگزیر ہے۔ (۱۳)

دوسرا مکتب فکر :

عصر حاضر کے علماء وفقہاء اور اسلامی ماہرین قانون پر مشتمل ایک طبقہ ایسا ہے جس کے نزدیک وکالۃ بالخصومۃ بطور ایک پیشہ وکاروبار شرعاً ہرگز جائز نہیں ہے۔ ان کے خیال میں پیشہ وکالت سرمایہ دارانہ نظام کا حصہ ہے۔ یہ پیشہ صرف مغربی نظام عدل کے ساتھ ساتھ رواج پذیر ہوا ہے۔ پچھلی بارہ صدیوں میں اسلامی نظام عدالت میں اس قانونی پیشے کا وجود نہیں تھا۔ اس لئے بطور ایک پیشہ اور ایک ذریعہ اکتساب رزق کے اسکا شرعی جواز بالکل نہیں ہے۔ ان کے خیال میں مروجہ پیشہ وکالت کی اصلاح چونکہ ناممکن ہے اس لئے اسلامی نظام عدل کے نفاذ کے لئے ضروری ہے کہ اس پیشہ کو بتدریج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ختم کر دیا جائے۔ تا کہ اسلامی قانون اپنی صحیح اسپرٹ کے ساتھ جاری ہوسکے۔

مروجہ پیشہ وکالت کے جواز سے متعلق جو دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ وہ ناکافی اور وضاحت طلب ہیں چنانچہ سید سیاح الدین کاکاخیل اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں:

''عموماً پیشہ وکالت کو شرعاً جائز قرار دینے کے لئے فقہاء کرام کی یہ عبارت پیش کی جاتی ہے الوکالتہ بالخصومۃ جائزہ برضاء الخصم لیکن اس مسئلہ کے بارے میں عرض کروں گا کہ فقہی کتابوں میں صرف اتنی عبارت نہیں ہوتی۔ اور نہ اس سے وکالت کا بطور ایک مستقل پیشہ کے جواز ثابت ہوتا ہے۔ ہدایہ مصری فتح القدیر ص ۵۵۹' ردالمختار شامی ج ۴ ص ۵۵۵۔۵۵۶ عالمگیری' فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۶ ص ۵۵۹ اور دوسری تمام کتب فقہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ اس مسئلہ وکالۃ بالخصومۃ کے بارے میں تفصیل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی مدعی اپنے کسی حق کے اثبات ومطالبہ کے لئے قاضی کے ہاں دعویٰ کرنا چاہے یا کسی مدعا علیہ کو جواب دعویٰ کے لئے مجلس قضا میں حاضر ہو کر جواب دینا ہو۔ تو جس طرح یہ دونوں خود جا سکتے ہیں اسی طرح وہ اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا کر بھیج سکتے ہیں۔ یعنی مدعی کی جگہ وکیل دعویٰ دائر کرے اور مقدمہ کی باقی کارروائی چلائے یا مدعا علیہ کے بجائے اس کا وکیل مجلس قضاء میں جا کر دفع دعویٰ کرے اور ساری کارروائی آخر تک چلائے اور ہر ایک کے مقابل خصم نے اس توکیل پر کوئی اعتراض نہیں کیا تو یہ توکیل بالخصومۃ جائز ہے لیکن اگر مدعی کی توکیل پر مدعا علیہ نے اور مدعا علیہ کی توکیل پر مدعی نے اعتراض کیا ... تو ایسی صورت میں کہ مقابل خصم توکیل بالخصومۃ پر راضی نہ ہو تو حضرت امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق توکیل بالخصومۃ نہیں ہوسکے گی۔ ایسی صورت میں خود مدعی کو دعویٰ کرنا اور مدعا علیہ کو جواب دعویٰ پیش کرنا ضروری ہوگا'' (۱۴)

موصوف نے پیشہ وکالت پر تنقید کرتے ہوئے آگے لکھا ہے:

''الغرض یہ متعارف وکالت بطور ایک پیشہ کے کبھی نہیں رہی اور کسی فقہ کی کتاب میں یہ پیشہ ورانہ وکالۃ بالخصومۃ جائز نہیں ہے۔ دراصل یہ پیشہ صرف مغربی نظام عدل کے ساتھ ساتھ جو اپنے اکثر اجزاء اور طریق کار کے اعتبار سے نظام جور وظلم ہے' رواج پذیر ہوا ہے۔ اس لئے بطور ایک پیشہ اور ایک ذریعہ اکتساب رزق کے اس کا شرعی جواز بالکل نہیں ... اگر مستقل اس قسم کے پیشہ ور وکلاء (خواہ موجودہ قانون دان ہوں خواہ کوئی مفتی مولوی یا مولانا) موجود ہوں ...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تواس طریقہ سے عادلانہ نظام قائم نہیں ہو سکے گا بلکہ اس طرح اسلامی نظام اور اسلامی قانون اور بدنام ہوگا''(۱۵)

یہ بات تجربے سے ثابت ہے کہ متعارف پیشہ وکالت حصول انصاف کا ذریعہ نہیں ہے۔ ایک وکیل کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس کا موکل مجرم ہے یا بے گناہ۔ اس کا مطمع نظر فیس ہے۔ جس فریق نے اس کو فیس دی ہو۔ اسی کی حمایت وکیل اپنا فرض سمجھتا ہے۔ بقول ابوالاعلیٰ مودودی:

''ایک وکیل اپنی قانونی مہارت کو لے کر بازار میں بیٹھ جاتا ہے اور تیار رہتا ہے کہ جس مقدمہ کا جو فریق بھی اس کے دماغ کا کرایہ ادا کرنے کے لئے تیار ہو اس کے حق میں وہ قانونی نکات سوچنا شروع کر دے۔ اس کو اس سے کوئی بحث نہیں ہوتی کہ میرا موکل حق پر ہے یا باطل پر، مجرم ہے یا بے گناہ، اپنا حق لینا چاہتا ہے یا دوسرے کا حق مار کھانا چاہتا ہے۔ اس کو اس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں ہوتی کہ قانون کا منشاء در حقیقت کیا ہے۔۔۔۔۔۔ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ اس شخص نے مجھے فیس دی ہے اور میرا کام اس کی حمایت کرنا ہے۔ اس لئے وہ مقدمہ کو چھیل بنا کر قانون کے مطابق ڈھالتا ہے، کمزور پہلوؤں کو چھپاتا ہے، موافق پہلوؤں کو ابھارتا ہے، روداد مقدمہ اور شہادتوں میں سے چن چن کر صرف وہ چیزیں نکالتا ہے جو اس کے موکل کی تائید میں ہوں، گواہوں کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ مقدمہ کی صحیح واقعات۔ اگر وہ اس کے موکل کے خلاف پڑتے ہوں۔ روشنی میں نہ آ سکیں یا کم از کم مشتبہ ہو جائیں، ۔۔۔۔۔ اب خواہ کوئی حقیقی مجرم چھوٹ جائے یا کوئی واقعی بے گناہ پھنس جائے۔۔۔۔۔۔ وکیل اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ وہ حق کی حمایت کرنے اور انصاف کرانے کے لئے وکالت خانے میں نہیں بیٹھتا۔ اس کا مقصد ہوتا ہے روپیہ۔ جو اسے روپیہ دے وہی حق پر ہے خواہ وہ مقدمہ کا ایک فریق ہو یا دوسرا فریق''۔(۱۶)

آگے موصوف نے پیشہ وکالت کے خطرناک نتائج کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ اس پیشہ وکالت نے صرف ہمارے نظام عدل وانصاف کو سخت نقصان ہی نہیں پہنچایا ہے، اور صرف اتنا ہی نہیں کیا ہے کہ ہماری سوسائٹی میں قانون کی پیروی کے بجائے اس کی خلاف ورزی کو وسعت وطاقت بخشی ہو بلکہ اس کا نقصان ہماری پوری اجتماعی زندگی میں پھیل گیا ہے، اور ہماری سیاست بھی اسی کی وجہ سے گندی ہو کر رہ گئی ہے۔ زبان اور ضمیر کا تعلق منقطع کرنے کی مشق آپ کے کالجوں کی مجالس مباحثہ سے شروع ہوتی ہے۔ یہاں ایک بولنے والے کی اصل خوبی یہی سمجھی جاتی ہے کہ وہ مسئلہ زیر بحث کے دونوں پہلوؤں کی حمایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں یکساں زور کے ساتھ بول سکے' اور جس جانب سے بھی کھڑا ہو جائے دلائل کے انبار لگا دے خواہ اس کی ذاتی رائے اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو'۔(۱۷)

پیشہ وکالت کا انسداد :

علماء اور فقہاء کا ایک طبقہ مروجہ پیشہ وکالت کی بیخ کنی کے حق میں ہے چنانچہ ابوالاعلیٰ مودودی کا تعلق بھی اس طبقے سے ہے جیسا کہ اس نے لکھا ہے:

''اولین اصلاح طلب معاملہ پیشہ وکالت کا ہے جو موجودہ عدالتی نظام کی بدترین خرابیوں میں سے ایک بلکہ شاید سب سے بدتر چیز ہے۔ اخلاقی اعتبار سے اس کے جواز میں ایک حرف نہیں کہا جا سکتا۔ عملی حیثیت سے عدالتی کام کی کوئی حقیقی ضرورت ایسی نہیں ہے جو اس کے بجائے کسی دوسرے مناسب طریقہ سے پوری نہ کی جاسکتی ہو۔ اور اسلام کے مزاج سے یہ پیشہ قانون بازی اس قدر بعد رکھتا ہے کہ جب تک یہ پیشہ جاری ہے ہماری عدالتوں میں اسلامی قانون اپنی صحیح اسپرٹ کے ساتھ جاری ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر کہیں خدائی قانون کے ساتھ یہاں وہ بازی گری کی گئی جو انسانی قانون کے ساتھ روز کی جا رہی ہے تو عجب نہیں کہ ہم انصاف کے ساتھ ایمان بھی کھو بیٹھیں۔ لہذا یہ نہایت ضروری ہے کہ اس پیشہ کو بتدریج ختم کر دیا جائے''۔

(۱۸)

مولانا ظفر احمد تھانوی نے بھی سالہا سال قبل وکالۃ بالخصومۃ کو ناجائز قرار دیا تھا اور اس کے انسداد پر زور دیا تھا۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے:

''۔۔۔۔۔ ہم پورے یقین کے ساتھ اس بات کو جانتے ہیں کہ اگر وکالۃ بالخصومات کا یہ موجودہ دروازہ بالکل بند کر دیا جائے اور فیصلہ کرنے والے قاضی حضرات مدعی اور مدعا علیہ کا کلام بلا واسطہ خود ان کی زبان سے سنیں اور گواہی دینے والے خود براہ راست ان کے سامنے گواہی دیں اور وکلاء حضرات گواہوں کو اپنی پٹی نہ پڑھایا کریں تو قاضیوں کے سامنے جب مقدمات پیش ہو جائے تو پہلے ہی دن اس مقدمہ میں حق واضح ہو جائے گا۔۔۔۔۔ اور اصل فقیہ وہ ہوتا ہے جو اپنے زمانہ کے حالات کو دیکھ کر اور ان کو پیش نظر رکھ کر احکام بتا دیا کرے (یعنی فقاہت کا یہی تقاضا ہے کہ وکالۃ بالخمومۃ کو ناجائز قرار دیا جائے)''۔(۱۹)

حاصل کلام یہ کہ دوسرے مکتب فکر کے علماء وفقہاء اور اسلامی ماہرین قانون کے نزدیک مروجہ پیشہ وکالت شرعاً جائز نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیشہ وکالت کا متبادل نظام :

جن علماء وفقہاء اور اسلامی ماہرین قانون نے متعارف پیشہ وکالت کے مکمل خاتمے پر زور دیا ہے انہوں نے اس کا متبادل نظام بھی پیش کیا ہے۔ یہاں مختصراً اس مسئلے کے چند پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے گا۔

مولانا مودودی نے مفتی کے منصب کے احیاء پر زور دیا ہے بتصریح ابوالاعلیٰ مودودی:

''پچھلی دس بارہ صدیوں میں آدھی سے زیادہ دنیا پر مسلمانوں نے حکومت کی ہے اور کہیں اس کے نظام عدالت میں اس قانونی پیشے کا ہمیں نشان نہیں ملتا۔ اس کے بجائے ہمارے ہاں مفتی کا منصب تھا اور اب ہمیں اسی کو تازہ کرنا چاہئیے۔ قدیم زمانے میں مفتی زیادہ تر اپنی روزی کسی ازاد کاروبار سے کماتے تھے اور لوگوں کو فتویٰ بلا معاوضہ دیا کرتے تھے۔ آج کی بڑھی ہوئی ضروریات کے مطابق ایک کافی تعداد میں ماہرین قانون ____ جن میں مخصوص شعبہائے قانون کے اختصاصی ماہرین بھی شامل ہوں۔ سرکاری طور پر مقرر کردیے جائیں اور ان کو پبلک کے خزانے سے معقول تنخواہیں دی جائیں۔ اس کے پاس فریقین کا جانا اور ان کی کچھ ''خدمت'' کرنا قانوناً ممنوع ہو اور اسی طرح حکومت کو بھی ان کی رائے پر اثر ڈالنے کا کوئی حق نہ ہو۔۔۔۔۔ عدالتیں خود حسب موقع ان ماہرین کے پاس مقدمات کی روداد بھیجا کریں اور ان سے رائے لے لیں''۔ (۲۰)

موصوف آگے رقمطراز ہے:

''رہا یہ سوال کہ اگر مقدمات کو ضابطہ کے مطابق تیار کر کے عدالتوں کے سامنے پیش کرنے والے صاحب فن لوگ موجود نہ ہوں تو اہل مقدمات کو بڑی پریشانیاں لاحق ہوں گی اور وہ طرح طرح کے بے ضابطہ طریقوں سے اپنے معاملات پیش کر کے عدالتوں کو بھی پریشان کریں گے، تو اس کا حل یہ ہے کہ ہم اس کے لئے مختاری کے اس پرانے طریقہ کو زندہ کریں جو ہماری عدالتوں میں پہلے رائج تھا۔ ہمارے لاء کالجوں کے ساتھ ایسی ضمنی کلاسیں بھی ہونی چاہیں جن میں متوسط درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کو صرف قانون ضابطہ Prosedural Law پڑھایا جائے اور عملاً عدالتی طریق کار سے واقف کرادیا جائے۔ ان لوگوں کا کام محض یہ ہونا چاہئے کہ ایک مقدمہ کو ضابطہ کی صورت دے کر عدالت کے سامنے پیش کرنے کے قابل بنادیں اور مختلف مراحل پر اہل مقدمات کو عدالتی طریق کار بتاتے رہیں۔ یہ لوگ اگر فیس لے کر پریکٹس کریں تو اس سے وہ خرابیاں رونما نہیں ہوسکتیں جو پیشہ وکالت سے رونما ہوتی ہیں''۔ (۲۱)

© rasailojaraid.com